کتب سماوی پر ایک نظر

(۱۱)

عہد جدید (اناجیل وغیرہم)

(از جناب ذوقی شاہ صاحب)

افسانۂ صلیب عیسائی علماء کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیح علیہ السلام یہودیوں کے ہاتھ گرفتار ہوئے، صلیب پر چڑھائے گئے، مرنے کے بعد تین دن تک قبر میں دفن رہے، پھر زندہ ہوئے، حواریوں کو نظر آئے، اور آسمان پر اُٹھالیے گئے۔ اور صلیب پر مسیح کی یہ قربانی عیسائیوں کے تمام عمر کے گناہوں کا کفارہ ہوگئی۔ مگر اناجیل اربعہ پر تنقیدی نظر ڈالی جائے تو ان میں سے ایک بات بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ بیانات میں اس قدر اختلافات ہیں کہ افسانۂ صلیب کا کوئی پہلو ثابت نہیں ہوتا روایت و درایت کی روسے کوئی بیان تحقیق کی کسوٹی پر قابل اعتماد نہیں پایا جاتا۔

سب سے پہلے گرفتاری کے واقعات کو لیجئے۔ اس واقعہ کی صورت میں اختلاف ہے۔ **متی** (۲۶: ۴۸ و ۴۹) میں لکھا ہے کہ مسیح کے حواری **یہوداہ اسکریوطی** نے اپنے ساتھیوں کو گرفتاری مسیح کے لیے یہ علامت قرار دی تھی کہ جسے میں چوموں اُسے گرفتار کر لینا چنانچہ ایسا ہی عمل میں آیا۔ مگر **یوحنا** (۱۸: ۴تا۹) میں واقعہ اس طور پر درج ہے کہ عیسیٰ نے خود آگے بڑھ کر دوبار اپنے پکڑنے والوں سے کہا کہ تم کسے ڈھونڈتے ہو یسوع میں ہوں۔ وہ لوگ یہ سُنکر پیچھے ہٹے اور زمین پر گر پڑے۔ آخر کار عیسیٰ علیہ السلام نے خود ہی اپنے آپ کو خوب پہچنوا کر اپنے کو گرفتار کرا دیا اور اب ان دو بیانات میں سے ہم کسے سچا سمجھیں ہلانکہ طور پر ان میں سے

ایک بیان غلط ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ دونوں بیان غلط ہوں۔ کیونکہ جب کسی کتاب میں غلطیوں کا احتمال ہوجاتا ہے تو ساری کتاب بے اعتبار ہوجاتی ہے خصوصاً وہ کتاب جسے آسمانی یا الہامی ہونے کا دعویٰ ہو۔

دوسرا اختلاف تعین صلیب بردار میں ہے۔ یوحنا (۱۹: ۱۷) میں ہے کہ یسوع خود اپنی صلیب کو اُٹھا کر لے گئے تھے۔ اور متی (۲۷: ۳۲) اور مرقس (۱۵: ۲۱) اور لوقا (۲۳: ۲۶) میں یہ لکھا ہے کہ مسیح کی صلیب شمعون قرینی سے اُٹھوا کر لے گئے تھے۔ علاوہ اس اختلاف کے یہاں ایک اور امر بھی قابل غور ہے۔ اسکاٹ صاحب اپنی تفسیر میں زیر آیت ۳۲ باب ۲۷ متی لکھتے ہیں کہ اُس زمانہ کا دستور یہ تھا کہ جس شخص کو صلیب دی جاتی تھی وہ شخص خود ہی اپنی صلیب اُٹھا کر لے جاتا تھا۔ قرآنی تعلیم یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ قتل کئے گئے نہ آپ کو صلیب دی گئی بلکہ اس بارہ میں لوگوں کو شبہ میں ڈال دیا گیا۔ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (۴: ۲۲) عیسائی مصنفین کو اعتراف ہے کہ قبل نزول قرآن بھی عیسائیوں میں چار فرقے ایسے تھے جن کا اعتقاد یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام مصلوب نہ ہوئے تھے بلکہ اُن کی جگہ شمعون قرینی پکڑا گیا اور مصلوب ہوا۔ وہ چار فرقے یہ ہیں:۔ (۱) باسیلیدی۔ (۲) سرنتھی۔ (۳) کارپوکراتی (۴) الگناسٹک جارج سیل بھی قرآن کے انگریزی ترجمہ میں سورہ آل عمران کے رکوع ۵ میں وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ کے تحت ان فرقوں کے وجود اور ان کے بہت قدیم ہونے اور ان کے متذکرہ بالا عقیدہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں سیل صاحب اپنے اسی نوٹ میں برناباس کی انجیل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول نقل کرتے ہیں:۔

"اے برناباس میری بات پر یقین کر کہ ہر گناہ کی خواہ وہ کتنا ہی خفیف کیوں ہو خدا بڑی دردناک سزا ضرور دیتا ہے کیونکہ خدا گناہ سے ناراض ہوتا ہے۔ چونکہ میری والدہ اور میرے وفادار شاگردوں کو جو مجھ سے محبت تھی اس میں محبت دنیا کی بھی آمیزش تھی خدائے عادل نے یہی مناسب سمجھا کہ اس جرم کی پاداش میں اُنھیں اسی دنیا میں رنج دیا جائے تاکہ آخرت میں وہ دوزخ کے شعلوں سے نجات پائیں۔

اور میرا معاملہ یہ ہے کہ اگرچہ میں دنیا میں بے قصور رہا تاہم بعض لوگوں نے مجھے خدا
اور خدا کا بیٹا کہا۔ اس لیے مشیت الٰہی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ قیامت کے دن
شیاطین میری ہنسی نہ اڑائیں بلکہ اُس کی رضا۔ اسی میں ہوئی کہ یہوداہ کی موت کے
ذریعہ سے اسی دنیا میں میری جگ ہنسائی ہو جائے اور ہر شخص یہ گمان کرلے کہ میں نے
صلیب پر جان دی اور یہ ساری ہنسی اور ہتک اُس وقت تک رہے کہ محمد رسول اللہ
(صلے اللہ علیہ وسلم) اس دنیا میں آئیں اور ہر ایمان دار کو اس غلطی سے نکالیں۔"

ممکن ہے کہ اسی نوع کے مضامین کی بنا پر انجیل برنباس کو عیسائیوں نے جعلی قرار دیکر موجودہ مطبوعہ کتب مقدسہ سے خارج کر رکھا ہو مگر اکثر قدیم قلمی نسخوں میں یہ انجیل موجود ہے اور نسخہ سینا میں بھی یہ انجیل موجود ہے۔ یہ وہی نسخہ ہے جسے حال ہی میں انگلستان نے ایک لاکھ پونڈ پر خریدا ہے اور جس کا ذکر اس سلسلہ کے مضمون نمبر ۲ میں آچکا ہے سیل صاحب اپنے نوٹ میں لکھتے ہیں کہ یہ عبارت مسلمانوں نے اِس انجیل میں شامل کردی ہے۔ باوجود اس اہتمام کے سیل صاحب نے اس عبارت کو اِس قدر اہمیت دی کہ اپنے نوٹ میں اسے بالکلیہ نقل کردیا اور اپنے اس خیال کی تائید میں نقل کیا کہ نزول قرآن سے بہت قبل عیسائیوں کی متعدد جماعتیں اس عقیدہ پر قائم تھیں کہ مسیح نہ مصلوب ہوئے نہ قتل ہوئے۔ الحاقی اور غلط بیان کو غلط جان کر کوئی معقول پسند شخص اپنی تائید میں اُس بیان کو پیش نہیں کیا کرتا۔ علاوہ بریں جس زمانہ میں انجیل برنباس لکھی گئی اور مشہور ہوئی اور اُسکی نقلیں پھیلیں اُس زمانہ میں ان مسلمانوں کا وجود ہی کہاں تھا کہ مندرجہ بالا عبارت کو انجیل میں شامل کردیتے۔ اگر مسلمانوں نے اپنے وجود میں آنے کے بعد کسی نہ کسی تدبیر سے انجیل میں اس عبارت کو شامل کردیا تو عیسائی اس الزام کے ثبوت میں کسی ایک ہی قدیم نسخہ انجیل برنباس کو پیش کردیں جس میں یہ عبارت نہ ہو۔ عیسائی دنیا میں یقیناً متعدد نسخے ایسے ہونگے جو محض عیسائیوں ہی کی تحویل میں رہے ہوں گے اور جن تک کسی مسلمان کا ہاتھ نہ پہونچا ہوگا۔ اگر ان نسخوں میں بھی یہ عبارت موجود ہے تو مسلمانوں پر یہ اتہام ظلم ہے

بغرض محال اس بات کو مان بھی لیا جائے کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے عیسائیوں کی انجیل میں تحریف ہوگئی اور عیسائی اب ایک بھی نسخہ ایسا پیش نہیں کر سکتے جو اس تحریف سے بچا ہو تو اس صورت میں بھی عیسائیوں کی کتابیں غیر محفوظ اور تحریف شدہ اور ناقابل اعتماد ثابت ہوتی ہیں۔

بہرحال صرف ایک انجیل میں یہ لکھا ہے کہ صلیب اٹھا کر لے جانے والے خود مسیح تھے۔ اسکے مقابلہ میں تین انجیلیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ نہیں بلکہ اس صلیب کا اٹھا کر لے جانے والا شمعون قرینی تھا۔ پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ اس زمانہ کا دستور یہی تھا کہ جو صلیب پر لٹکایا جائے وہی صلیب کو خود اٹھا کر ٹکٹکی کی جگہ لے بھی جائے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ قدما کی چار جماعتیں یہی کہتی ہیں کہ مصلوب ہونے والا شمعون قرینی تھا نہ کہ مسیح علیہ السلام۔ مزید براں حضرت مسیح کے قول مندرجہ انجیل برناباس پر بھی نظر ڈالی جائے۔ اس کے بعد منصف مزاج حضرات خود ہی فیصلہ فرمالیں کہ افسانہ صلیب میں صداقت کو کس حد تک دخل ہے۔

تیسرا اختلاف صلیب دیئے جانے کے وقت سے متعلق ہے۔ مرقس (۱۵: ۲۵) میں ہے کہ تیسرا گھنٹہ تھا جبکہ انھوں نے اسے صلیب دی یعنی صبح کے نو (۹) بجے تھے اور یوحنا (۱۹: ۱۴) میں ہے کہ چھٹے گھنٹے کے قریب سولی دی گئی جس کے معنی یا تو یہ ہوسکتے ہیں کہ چھ (۶) بجے صبح سولی ملی یا چھ (۶) گھنٹے دن چڑھے یعنی ۱۲ بجے دوپہر کو۔ متی (۲۷: ۴۶) سے نویں (۹) گھنٹے تک یسوع کا زندہ رہنا پایا جاتا ہے اور اس وقت ان کا بڑے شور سے چلا کر یہ کہنا بیان کیا جاتا ہے کہ :- ایلی ایلی لما سبقتنانی،، یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے کیوں مجھے چھوڑ دیا۔ لاطینی زبان کی ایک کتاب سیلس آنالیسس کرونالاجیکا کے باب ۸ صفحہ ۲۰۹ پر لکھا ہے کہ فصح کے دن شام کے وقت انھوں نے اسے صلیب پر لٹکایا۔ اتنا اہم واقعہ اور اس میں اس درجہ اختلاف متذکرہ بالا جملہ اوقات مذکورہ کی بے اعتباری پر دلالت کرتا ہے۔

چوتھا اختلاف ان دو چوروں کی بابت ہے جو مسیح کے ساتھ صلیب پر دائیں بائیں لٹکائے گئے تھے۔ متی (۲۷: ۴۴) کا بیان ہے کہ دونوں چور مسیح کو برا کہہ رہے تھے۔ مگر لوقا (۲۳: ۳۹ تا ۴۳) کا

بیان ہے کہ صرف ایک ہی چور آپ کو بُرا کہتا تھا اور دوسرا چور آپ کی تعریف کرتا تھا۔ بعض مفسرین نے ان ہی اختلافات کے دور کرنے کی کوشش کی ہے مگر نتیجہ تشفی بخش نہ نکل سکا۔ مثلاً اسکاٹ صاحب نے اپنی طرف سے ترتیب زمانی وضع کر کے بیانات مختلفہ کو آگے پیچھے اس طرح بیان کر دیا کہ پہلے دونوں چور آپ کو برا کہتے تھے۔ پھر ایک نے برا کہنے سے توبہ کی اور اچھا کہنا شروع کر دیا۔ اس تطبیق بلا دلیل سے کسی کی بھی تشفی نہیں ہو سکتی۔ اس صورت سے تو تمام متضاد و متناقض امور میں تطبیق باہمی دی جا سکتی ہے اور صدق و کذب کا امتیاز ہی اُٹھ جاتا ہے۔

پانچواں اختلاف اُس کتبہ کی عبارت میں ہے جو مسیح کی صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔ یوحنا (۱۹:۱۹) میں یہ عبارت درج ہے:۔ ”یسوع ناصری یہودیوں کا بادشاہ“ متی (۲۷: ۳۷) کی عبارت ہے: ”یہ یسوع یہودیوں کا بادشاہ ہے“، ناصری کا لفظ یہاں درج نہیں۔ مرقس (۱۵: ۲۶) اور لوقا (۲۳: ۳۸) میں کتبہ کی عبارت یہ بیان کی گئی ہے کہ: ”یہودیوں کا بادشاہ ہے“، یعنی یہاں نہ یسوع کا لفظ ہے نہ ناصری کا۔

چھٹا اختلاف اس میں ہے کہ مسیح کو صلیب پر چڑھتے اور جان دیتے کس کس نے دیکھا۔ متی (۲۶: ۵۶) میں لکھا ہے کہ جب مسیح گرفتار ہوئے اسی وقت ”سب شاگرد اُسے چھوڑ کر بھاگ گئے“، تو ظاہر ہے کہ مصلوبی کے وقت شاگردوں میں سے ایک بھی مسیح کے پاس نہ تھا۔ مرقس (۱۴: ۵۰) سے بھی اسی بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ لوقا (۲۳: ۴۹) میں لکھا ہے کہ عورتیں وغیرہ مسیح کے صلیب پانے کے وقت دور سے کھڑی ہو کر سارا حال دیکھ رہی تھیں۔ مگر یوحنا (۱۹: ۲۵) میں لکھا ہے کہ یہ سب لوگ اور عورتیں صلیب کے پاس کھڑی تھیں اور اتنے قریب تھیں کہ مسیح نے اپنی والدہ کو اپنے ایک شاگرد کے سپرد فرمایا۔ اور فرمایا کہ دیکھ یہ تیری ماں ہے۔ ان بیانات میں کس قدر اختلاف ہے؟

متی (۲۷: ۵۰ تا ۵۵) میں مسیح کے جان بحق تسلیم ہوتے وقت کا منظر یوں کھینچا گیا ہے کہ ہیکل کا

پردہ پھٹ گیا اور زمین کانپی اور پتھر تڑخ گئے اور قبریں کھل گئیں اور مردے نکل پڑے اور زندہ ہو گئے۔ متی ہی کا یہ قول ہے کہ مسیح کی گرفتاری کے وقت سب شاگرد مسیح کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ پھر یہ دیکھا کس نے کہ ہیکل کا پردہ پھٹ گیا اور زمین کانپی اور مردے قبروں میں سے نکل کر زندہ ہو گئے اور اندھیرا چھا گیا؟ کیا دشمنان مسیح کی شہادت پر یہ سارے واقعات درج انجیل کر دیئے گئے؟ اگر انجیل یوحنّا کے مطابق یوحنا اُس وقت حاضر تھا تو یوحنا نے تو ان باتوں کا ذکر ہی نہیں کیا۔ پھر متی نے یہ جملہ عجائبات کہاں سے دیکھ لیئے؟ ایک طرف متی لکھتے ہیں کہ قبروں میں سے مردے نکل کھڑے ہوئے اور زندہ ہو گئے۔ دوسری طرف ایوب (۷: ۹و۱۰) میں لکھا ہے کہ جو قبر میں جاتا ہے وہ پھر قیامت تک واپس نہیں آتا۔ اب ان دونوں میں سے اگر ایک بات صحیح ہے تو دوسری یقیناً غلط ہے اور دونوں میں سے ایک قول کی بھی غلطی موجودہ بائیبل پر سے اعتبار اٹھا دینے کے لیے کافی ہے اور جب بائیبل ہی سے اعتبار اُٹھ گیا تو محتاط لوگوں کے نزدیک اُس کا ہر بیان جس کی کہیں خارج سے تائید نہ ہو مشکوک ہے۔

ساتواں اختلاف ان لوگوں کی بابت ہے جن کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے مسیح کو مر کر دوبارہ زندہ ہوتے دیکھا۔ قرنتیون کے (۱۵: ۵ و ۶) میں پولوس لکھتے ہیں کہ مسیح کا دوبارہ زندہ ہونا بارہ حواریوں نے دیکھا پھر اس کے بعد، "پانچ سَو سے زیادہ بھائیوں سے زیادہ تھے جنھیں وہ ایک بار دکھائی دیا"۔ اول تو بارہ حواریوں کی تعداد ہی غلط ہے۔ زمانۂ مسیح میں صرف گیارہ (۱۱) ہی حواری تھے۔ بارہواں حواری مسیح کے آسمان پر جانے کے بعد بذریعہ قرعہ اندازی کے منتخب ہوا ہے جس کی تفصیل کتاب اعمال کے باب اول میں درج ہے۔ پھر اناجیل اربعہ متفق ہیں کہ سوا گیارہ حواریوں کے کسی نے مسیح کو دوبارہ زندہ نہیں دیکھا۔ اعمال (۱۰: ۴۰و۴۱) میں بھی صاف لکھا ہے کہ "اسکو (یعنی مسیح کو) خدا نے تیسرے دن اُٹھایا اور ظاہر کر دکھایا ساری قوم پر نہیں بلکہ ان گواہوں پر کہ آگے سے خدا کے چُنے ہوئے تھے یعنی ہم پر"۔ پھر پولوس نے یہ کہاں سے کہہ دیا کہ پانچسَو بھائیوں سے زیادہ تھے جنھیں وہ ایک بار دکھائی دیا۔ اعمال (۱: ۱۵) کی رو سے شاگردوں کی

تعداد اکیسو بیس (۱۲۰) سے زائد نہ تھی۔ یہ تعداد عروج مسیح سے بعد کی ہے۔ کہ وقوع صلیب سے قبل کی تعداد تو اس سے بھی کم ہوگی۔ پولوس کے یہ پانچسو سے زائد بھائی کہاں سے پیدا ہوگئے جنھوں نے مسیح کی حیات ثانی کا مشاہدہ کرلیا کیا متی اور یوحنا اور پطرس وغیرہم جو مسیح کے مقرب حواری تھے پولوس کے پانچ سو بھائیوں میں شامل نہ تھے کہ یہ بھی اپنی تصانیف میں کچھ اس کا ذکر کرتے۔ بقول مسیحی علماء کے لوقا اور مرقس نے پولوس اور پطرس ہی کی تعلیم سے اپنی اپنی انجیلیں لکھیں مگر ان دونوں نے بھی یہ بات کہیں نہ لکھی لوقا نے خاص طور پر پولوس ہی سے پوچھ پوچھ کر مسیح کا حال لکھا مگر باوجود اس کے یہی لکھا کہ صرف گیارہ حواریوں ہی نے مسیح کی حیات ثانی کا مشاہدہ کیا۔ اس نے نہ بارہ حواریوں کا ذکر کیا نہ پانچسو سے زائد بھائیوں کا۔

اب جن لوگوں نے اس حیاتِ ثانی کا مشاہدہ ہوا ان کی بابت بھی مختلف بیانات ذرا ملاحظہ ہوں۔

یوحنا (۲۰: ۱۴) میں لکھا ہے کہ مریم مگدلینی نے مسیح کو مصلوبی کے تیسرے دن دیکھا مگر نہ پہچانا۔ لوقا (۲۴: ۴ و ۵ و ۶) میں لکھا ہے کہ مریم مگدلینی نے فرشتوں سے یسوع کے جی اٹھنے کا حال سنکر شاگردوں کو خبر دی تھی مگر یوحنا (۲۰: ۱ و ۲ و ۱۴) سے ظاہر ہوتا ہے کہ مریم مگدلینی کو مسیح کے جی اٹھنے کی خبر نہ تھی اور جب تک کہ مسیح کو مرنے کے بعد زندہ نہ دیکھا یہی سمجھا تھا کہ مسیح کی نعش کو کوئی قبر سے نکال کر لے گیا ہے اور جب مسیح کو دیکھا بھی تو اول تو انھیں نہ پہچانا بلکہ یہی سمجھا کہ کوئی باغبان ہے۔ مرقس (۱۶: ۹) میں ہے کہ یسوع قبر سے جی اٹھنے کے بعد پہلے مریم مگدلینی کو دکھائی دیے۔ لوقا (۲۴: ۱۳ و ۳۴) میں ہے کہ پہلے دو مردوں کو یا شمعون کو دکھائی دیا۔ متی (۲۸: ۹) میں ہے کہ مریم نے یسوع کو دیکھ کر ان کے قدم پکڑے مگر یوحنا (۲۰: ۱۷) میں ہے کہ یسوع نے کہا کہ مجھ کو مت چھو، کیونکہ میں منوز اوپر اپنے باپ کے پاس ابھی نہیں گیا۔ پھر یوحنا (۲۰: ۱۲) میں ہے کہ مریم نے دو فرشتے یسوع کی قبر میں بیٹھے دیکھے۔ لوقا (۲۴: ۴) میں ہے کہ دو شخص اپنے پاس کھڑے دیکھے۔ مرقس (۱۶: ۵) میں ہے کہ ایک جوان کو سفید پوشاک پہنے ہوئے قبر میں بیٹھے دیکھا۔ متی (۲۸: ۲) میں ہے کہ ایک فرشتے کو قبر کے باہر پتھر پر بیٹھے دیکھا۔ اب خیال فرمائیے کہ ایک ہی واقعہ کو چاروں انجیلوں

میں چار مختلف صورتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ بیانات میں اختلاف کی اس سے زیادہ بین مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔

پھر مرقس باب ۱۶ اور لوقا باب ۲۴ میں جو لکھا ہے کہ عورتیں تیسرے دن خوشبو لے کر قبر پر گئیں کہ یسوع کی نعش پر وہ خوشبو ملیں یہ صریحاً غلط ہے۔ کیونکہ بقول اناجیل ہی کے قبر پر ایک بھاری پتھر رکھا گیا تھا اور اُس پتھر پر مہر لگا دی گئی تھی اور رومی سپاہیوں کا وہاں بہت سخت پہرا بٹھا دیا گیا تھا۔ اس پہرہ کا باعث یہ تھا کہ یہودیوں کو پہلے سے اس بات کا خوف تھا کہ ایسا نہ ہو کہ عیسائی لوگ مسیح کی نعش کو قبر میں سے چوری سے نکال لے جائیں اور مشہور کر دیں کہ مسیح دوبارہ زندہ ہو گیا تو اس صورت میں فتنہ پہلے فتنے سے شدید تر ثابت ہو گا۔ چنانچہ بعد میں عیسائیوں نے جسے مسیح کا پھر زندہ ہو جانا بیان کیا وہ یہودیوں میں اس مصلوب کی نعش کا چوری ہو جانا مشہور رہے جس کی تائید متی (۲۸: ۱۳ و ۱۴ و ۱۵) سے بھی پوری طرح ہوتی ہے۔ اور رومی سپاہیوں کا پہرہ بہت سخت ہوتا تھا۔ اسکاٹ صاحب اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ رومی فوج میں یہ قانون تھا کہ جو سپاہی اپنے پہرے پر سو جائے وہ قتل کر دیا جائے۔ ایسے سخت پہرے کے ہوتے ہوئے وہ عورتیں کیا دیوانی تھیں جو خوشبو لے کر مصلوب کی قبر پر جا پہنچیں۔ اگر یہ سمجھا جائے کہ اُنھیں مسیح کے جی اٹھنے کا یقین تھا تو اول تو یہ بات کہیں انجیل سے ثابت نہیں ہوتی۔ دوم۔ ایسی صورت میں قبر پر جانے کی کیا ضرورت تھی زندہ شخص کو اب قبر سے کیا تعلق۔ سوم ان عورتوں نے پھر یہ کیوں کہا کہ "ہمارے لیے پتھر کو قبر کے دروازے پر سے کون ڈھلکائے گا"۔ ؟

متی (۲۷: ۶۳) میں جو یہ قول مسیح سے منسوب کیا گیا ہے کہ میں تین دن زمین کے نیچے رہوں گا وہ قول اگر صحیح ہے تو ممکن ہے کہ اس سے اس جانب اشارہ ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام نے زمین پر تین برس نبوت کا کام کیا اور اس کے بعد اٹھا لیے گئے کیونکہ حزقی ایل (۴: ۶) کی رو سے نبیوں کے ایک دن سے ایک سال مراد ہوتی ہے ڈاکٹر جان مکڈول بھی اپنی کتاب تعلیم الایمان مطبوعہ امریکن مشن لدھیانہ ۱۸۶۹ء کے صفحہ ۱۲ پر لکھتے ہیں کہ: "اکثر عالموں نے کلام الٰہی کی تفسیر میں ایک دن کو ایک برس تصور کیا ہے اور قدیم یہودی

اور سب مسیحی عالم بھی اسی شمار میں متفق ہیں،، اگر قول مسیح سے مندرجہ بالا معنی نہ سمجھے جائیں بلکہ یہ معنی لیے جائیں کہ آپ تین دن قبر میں رہ کر اٹھ کھڑے ہونگے تو یہ قول غلط ثابت ہوجائے گا کیونکہ اناجیل کی رو سے آپ صرف ایک دن اور دو رات قبر میں رہے۔

جب صلیب ہی کا افسانہ غلط ہے تو مر کر زندہ ہوجانے کا قصہ تو ابھی غلط ہونا چاہئے۔ افسانہ صلیب کی تردید اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ **استثنا** (۲۱: ۲۳) میں لکھا ہے کہ جو لکڑی پر لٹکایا جاتا ہے یعنی جو سولی دیا جاتا ہے وہ خدا کا ملعون ہوتا ہے۔ اگر یہ آیت صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ نے ضرور اپنے پیارے اور برگزیدہ بندے عیسیٰ علیہ السلام کو اس لعنت سے دور اور صلیب پانے سے محفوظ رکھا ہوگا۔ اس کے خلاف اناجیل میں جس قدر واقعات درج ہوں وہ سب یقیناً غلط اور الحاقی ہیں اور ان میں اس قدر اختلافات ہیں کہ وہ سب بیانات پایۂ اعتبار سے گر جاتے ہیں۔

قربانی اور کفارہ اگر عیسائی عقیدہ کے مطابق تھوڑی دیر کے لیے اس بات کو مان بھی لیا جائے کہ مسیح نے صلیب پائی تو تفتیش طلب مسئلہ یہ باقی رہتا ہے کہ یہ مصلوبی قربانی کیونکر ہوگئی اور اس قربانی کی ضرورت کیا پیش آئی تھی اور یہ دوسروں کے لئے کفارہ کس حد تک ثابت ہو سکتی ہے

اول تو وہ تخیل ہی غلط ہے جس پر قربانی اور کفارہ کے اس عقیدہ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ یہ بات عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے کہ آدم علیہ السلام کے گناہ میں جملہ بنی آدم شریک ہیں۔ آدم سے ایک گناہ ہوا تھا جس کی انھیں دو سزائیں مل چکیں ایک بہشت سے اخراج۔ دوسری موت (**پیدائش** ۳۔ **رومیون** ۵: ۱۲ تا ۱۹۔ اول قرنتیون ۱۵: ۲۱) جب ایک گناہ کی دو سزائیں مل چکی ہیں تو وہ گناہ اب باقی کہاں رہا جو اولاد آدم سینکڑوں ہزاروں پشت تک اس ناکردہ گناہ کی سزا میں مبتلا رہے اگر **خروج** (۲۰: ۵) کا سہارا ڈھونڈا جائے جس کا مضمون یہ ہے کہ باپ دادا کی بدکاریوں کا بدلہ اولاد سے تیسری اور چوتھی پشت تک لیا جاتا ہے یا **استثنا**، (۲۳: ۲) سے مدد لی جائے جس میں لکھا ہے کہ حرامی بچہ اور اس کی دس پشتیں خداوند کی جماعت میں داخل نہیں ہو سکتیں تب بھی مطلب براری نہیں ہو سکتی کیونکہ آدم علیہ السلام کی سینکڑوں ہزاروں پشتیں گزر چکی ہیں یہ خیال بھی غلط ہے کہ موت گناہ کا نتیجہ ہے۔ پرندوں اور جانوروں نے حضرت آدم کی طرح کس نیکی و بدی کی شناخت کے درخت کا پھل کھا لیا تھا جو وہ اور ان کے بچے بھی مرتے ہیں حالانکہ سانپ

آدم کے اس گناہ کا باعث ہوا تھا مگر اس کے نیچے ہزاروں برس تک زندہ رہتے ہیں۔ پھر مسیح کی قربانی اگر کفارہ بن گئی تو مسیح پر ایمان لانے والوں کے لیے چاہئیے تھا کہ موت نہ ہوتی مگر تعجب ہے کہ وہ بھی اسی طرح مرتے ہیں جس طرح مسیح پر ایمان نہ لانے والے۔ آدم کے اس گناہ میں حوّا بھی شریک تھیں بلکہ حوّا ہی نے آدم کو اس گناہ پر ابھارا تھا چنانچہ پیدائش (۳: ۱۶) کی رو سے حوا کو یہ سزا سنائی گئی کہ بچہ پیدا ہوتے وقت عورت دردزہ میں مبتلا ہوگی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائی عورتیں آج بھی دردزہ میں مبتلا ہوتی ہیں اور ان کا مسیح اور مسیح کی قربانی پر ایمان انھیں اس درد کی تکلیف سے نجات نہیں دیتا۔ کفارہ کا فائدہ تو یہ ہونا چاہئیے تھا کہ مسیح پر ایمان لانے والے موت سے نجات پانے اور ایمان لاتے ہی فوراً بغیر مرے بہشت میں داخل ہوجاتے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا بلکہ تاریخ گواہ ہے کہ لوگوں نے مسیح پر ایمان لانے کے بعد بھی ایسی ایسی تکلیفیں اٹھائی ہیں جو موت سے بھی شدید تر تھیں عیسائیوں میں ایسے فرقے بھی گزرے ہیں جو اس عقیدہ کو لغو سمجھتے ہیں اور لوگوں کو آدم کی نسل میں ہونے کی بنا پر ناپاک اور گنہگار نہیں تسلیم کرتے اور موت انسانی کو آدم کے گناہ کی سزا نہیں قرار دیتے۔

دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ ایک طرف تو بائبل میں یہ لکھا ہے کہ:۔ "وہ جو جان کے لیے کفارہ دیتا ہے سو لہو ہے" (احبار ۱۷: ۱۱) یعنی قربانی کے خون کے بغیر گناہوں کا کفارہ نہیں ہوتا "بغیر لہو بہائے معافی نہیں ہوتی" (عبرانیوں ۹: ۲۲) "وہ (یعنی مسیح) ایک بار ظاہر ہوا کہ اپنے تئیں قربانی کرنے سے گناہ کو نیست کرے" (عبرانیوں ۹: ۲۶) اور لہو بہانے کی تفسیر علمائے نصاریٰ یہ کرتے ہیں کہ اس قدر خون بہایا جائے کہ موت واقع ہوجائے۔ یعنی ایک طرف تو بائبل میں اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ بغیر قربانی کا خون بہائے گناہوں کا کفارہ نہیں ہوسکتا اور نجات کی کوئی دوسری تدبیر ممکن نہیں اور مسیح مصلوب نہ ہوئے ہوتے تو جہان میں کوئی نجات نہ پاتا اور خدا کا عدل اور رحم پورا نہ ہوتا۔ اور دوسری طرف اسی بائبل میں ایسی مثالیں بھی پائی جاتی ہیں کہ صلیب کا قصہ پیش آنے سے قبل بغیر اس کے کہ کوئی قربانی عمل میں آئی ہو یا خون کی ایک بوند بھی زمین پر ٹپکی ہو مسیح نے محض اپنے اختیار سے لوگوں کے گناہ معاف کر دیئے۔ متی (۹: ۲ تا ۶) میں وہ واقعہ درج ہے جبکہ مسیح نے اپنی مصلوبی سے بہت پہلے ایک مفلوج کے گناہ بخش دیئے تھے اور کہا تھا کہ

"ابن آدم (یعنی مسیح) کو زمین پر گناہ بخش دینے کا اختیار ہے"۔ **لوقا** (۷ : ۴۸) میں ہے کہ مسیح نے ایک عورت کے بھی گناہ بخش دیئے تھے حالانکہ قصۂ صلیب ابھی پیش نہ آیا تھا۔ **یوحنا** (۸ : ۱ تا ۱۱) میں ہے کہ مسیح نے ایک زانیہ عورت کو بھی معاف کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ جا اور پھر گناہ نہ کرنا۔ **لوقا** (۱۹ : ۹) میں ہے کہ محصول لینے والوں کے سردار اور متمول زکی کو بھی نجات کی بشارت دیدی گئی تھی۔ **لوقا** (۲۳ : ۴۳) میں ہے کہ صلیب پر (یعنی ابھی قربانی پوری بھی نہ ہونے پائی تھی کہ) مسیح نے ایک چور کے گناہ بخشدیئے تھے۔ **متی** (۲۰ : ۱۵) میں مسیح کا یہ قول درج ہے کہ :- "کیا روا نہیں کہ میں اپنے مال میں سے جو چاہوں سو کروں"۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم تو اپنی امت کو یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، اس کے بندے اسکی ملکیت ہیں، وہ اپنی ملکیت میں جو چاہے تصرف کر سکتا ہے اور وہ اپنے بندوں کے گناہ معاف کرنے میں کسی قربانی یا کفارے یا کسی اور چیز کا محتاج نہیں اور مندرجہ بالا مثالوں سے اگر وہ صحیح ہیں تو یہ پایا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے یہ اختیار مل گیا تھا کہ وہ جس کے چاہیں گناہ معاف کر دیں بغیر اس کے کہ کوئی قربانی کی گئی ہو یا کفارہ ادا کیا گیا ہو۔ پھر مصلوبی اور کفارہ کی حاجت ہی کیا رہی ؟۔

گناہوں کی بخشش نے عیسائیوں میں وہ وسعت اختیار کر رکھی ہے کہ صرف مسیح ہی نہیں بلکہ مسیح کے شاگردوں کو بھی جنت اور دوزخ کی چابی عطا فرمادی گئی تھی حالانکہ ان شاگردوں میں سے ایک بھی مصلوب نہ ہوا تھا۔ **یوحنا** (۲۰ : ۲۳) میں لکھا ہے کہ مسیح نے اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ :- "جن کے گناہوں کو تم بخشوگے ان کے گناہ بخشے جائیں گے اور جنھیں تم نہ بخشوگے نہ بخشے جائیں گے"۔ **یوحنا** کی رو سے یہ اجازت حواریوں کو مصلوبی کے بعد مسیح کی حیات ثانی میں عطا ہوئی۔ مگر **متی** (۱۶ : ۱۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ مصلوبی سے بہت دن قبل جنت و دوزخ کا یہ اختیار حواریوں کو مل چکا تھا۔ چنانچہ پاپائے روم نے ورثہ میں اس اختیار پر چنگل مارا اور گناہوں کی معافی کی چٹھیاں یروشلم پر لڑنے والے عیسائیوں کو سینکڑوں برس تک تقسیم کیں۔

نہ صرف حواریوں اور ان کے جانشینوں بلکہ ہر عیسائی مرد اور عورت کو اپنی گنہگار زوجہ یا اپنے گنہگار شوہر کو دوزخ سے بچا لینے کا مرتبہ حاصل ہے (**اول قرنتیون** ۷ : ۱۶) بلکہ عیسائیوں میں کا ہر فرد تنہا اپنی نجات کی آپ ہی تدبیر

کرسکتا ہے (لوقا ۱:۱۰، ۲۵ تا ۲۸، متی ۱۰:۲۲) ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے حضرت عیسیٰ کی مصلوبی اور کفارہ کی قطعاً کوئی حاجت نہ تھی۔

تیسرا امر قابل غور یہ ہے کہ مسیح کی یہ قربانی مسیح پر ایمان لانے والے کے لیے اس کے تمام عمر کے گناہوں کا کفارہ ہوجاتی ہے یا صرف ایمان لانے کے وقت تک کے گناہ ہی معاف ہوتے ہیں؟ اگر تمام عمر کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں تو پھر دین کی پابندی اور عبادت و ریاضت اور یوم السبت کے احترام کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اور وہ جملہ پند و نصائح اوامر و نواہی جن سے کتب مقدسہ پُر ہیں لایعنی اور بیکار ہوجاتی ہیں۔ اگر ایمان لانے سے قبل ہی کے گناہ معاف ہوتے ہیں تو ایمان لانے سے بعد کے گناہوں کے کفارہ کے لیے اسے دوسری قربانی کرنی پڑے گی۔ اور جب وہ بعد کے گناہوں کو قربانی سے دور کر دیتا ہے تو پہلے کے گناہوں کو بھی خود ہی قربانی سے دور کرسکتا تھا قربانی مسیح کی کیا ضرورت تھی؟ مگر عبرانیوں کے باب ۱۰ آیہ ۲۶ میں یہ عبارت بھی درج ہے کہ:۔

"بعد اس کے کہ ہم نے سچائی کی پہچان حاصل کی ہے جان بوجھ کے گناہ کریں تو پھر گناہوں کے لیے کوئی قربانی باقی نہیں"

بہت کم عیسائی ایسے ہونگے جو عیسائی ہونے کے بعد کسی گناہ کے مرتکب نہ ہوئے ہوں۔ مندرجہ بالا آیت کی رو سے افسوس ہے کہ اُن کے ان گناہوں کی معافی کی کوئی صورت نہیں۔ ان سے کافر ہی اچھے جو مسیح پر ایمان لاتے ہی گناہوں سے پاک ہوجاتے ہیں۔ ان عیسائیوں کے گناہ تو مسیح پر ایمان لانے سے بھی دور نہیں ہوتے اور کسی دوسری قربانی سے بھی ان گناہوں کا کفارہ ادا نہیں ہوسکتا۔

چوتھا امر قابل توجہ یہ ہے کہ قربانی ہمیشہ عمدہ نفیس بے عیب اور مال طیب کی دی جاتی ہے۔ عیسائی عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ میں کمال الوہیت اور کمال انسانیت دونوں کا اجتماع تھا۔ الوہیت کی حیثیت کو تو قربانی سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوسکتا اور وہ الوہیت ہی کیا ہے جو قربان ہوسکے۔ چونکہ کفارہ انسانی گناہوں کا مقصود تھا اس لیے قربانی انسان ہی کی ہوسکتی تھی اور مسیح صرف انسان کامل ہونے کی حیثیت ہی سے صلیب پر چڑھے اور

قربان ہو گئے۔ مگر عیسائی عقیدہ ہی کے رو سے مسیح بحیثیت انسان ہونے کے بے عیب نہ تھے اور نعوذ باللہ گناہ سے پاک نہ تھے۔ رومیون (۳: ۹ تا ۱۲) کا فتویٰ ہے کہ آدم کی اولاد میں کوئی بے گناہ نہیں، کوئی راستباز نہیں کوئی سمجھ دار نہیں، کوئی خدا کا طالب نہیں، سب گمراہ ہیں نکمے ہیں اور بدکار ہیں۔ ایوب (۲۵: ۴) کا فیصلہ ہے کہ:۔ "وہ جو عورت سے پیدا ہوا ہے کیونکر پاک ٹھیرے" چنانچہ مسیح نے یوحنا اصطباغی (یعنی جان دی بیپٹسٹ) سے بپتسما لیا اور یوحنا صرف توبہ ہی کا بپتسما دیتے تھے اور توبہ گناہوں سے ہوتی ہے (متی باب ۳ مرقس باب ۱) لہٰذا مسیحیوں کے ان اقوال کے بموجب قربانیٔ مسیح بے داغ نہ تھی۔ یہاں صرف مسیحی اقوال ہی سے بحث ہے ورنہ مسلمان تو عیسیٰ علیہ السلام اور تمام دیگر انبیاء کو معصوم قرار دیتے ہیں اور ان گستاخیوں سے لرزتے ہیں جو بعض عیسائی عقائد اور عیسائی تحریروں سے جناب مسیح اور دیگر انبیاء کی شان میں واقع ہوتی ہیں۔

پانچویں بات جو غور طلب ہے یہ ہے کہ عیسائی عقیدہ کے بموجب عیسیٰ علیہ السلام صلیب پانے کے بعد جب جی اٹھے تھے تو انسانیت کے ساتھ آسمان پر گئے۔ کیونکہ مصلوبی کے بعد اگر عیسیٰ علیہ السلام کی انسانیت مفقود ہو گئی یا اُس انسانیت نے دوبارہ عود نہ کیا تو جی اُٹھنے کے نہ کوئی معنی ہیں نہ جی اٹھنے کا ثبوت۔ الوہیت تو ماورائے موت و حیات ہے۔ مرنے جینے کا اطلاق انسان پر ہوتا ہے مخلوق پر ہوتا ہے عیسیٰ علیہ السلام اپنی اسی انسانیت کے ساتھ جس سے آپ اس دنیا میں متصف تھے اور اپنے اُسی انسانی جسم کے ساتھ جس سے اس دنیا میں آپ نے زندگی بسر فرمائی آسمان پر نہ گئے ہوتے تو آسمان پر جانے کی فضیلت ہی کیا تھی۔ یوں تو ہر شخص مرتا ہے اور اُسکی روح آسمان پر جاتی ہے مگر یہاں فضیلت تو اس میں تھی کہ حضرت الیاس اور حضرت حنوک (یعنی ادریس) کی طرح حضرت عیسیٰ بھی دنیوی انسانی جسم کے ساتھ آسمان پر اُٹھائے گئے۔ مصلوبی کے بعد خود مسیح نے لوگوں کو اپنا جسم دکھلایا لوقا (۲۴: ۳۷ تا ۴۴) کی مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو جو مصلوبی کے بعد کے زمانہ سے متعلق ہے:۔

"مگر اُس نے (یعنی مسیح نے) ان سے کہا کہ تم کیوں گھبراہٹ میں ہو اور کاہے کو تمہارے دلوں میں اندیشے پیدا ہوتے ہیں۔ میرے ہاتھ پاؤں کو دیکھو کہ میں ہی ہوں اور مجھے چھوؤ اور

دیکھو کیونکہ روح کو جسم اور ہڈی نہیں جیسا مجھ میں دیکھتے ہو۔ اور یہ کہہ کے انھیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے۔ اور جب وے مارے خوشی کے اعتبار نہ کرتے تھے اور تعجب تھے تو اس نے ان سے کہا کہ کیا یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے۔ تب انھوں نے بھونی ہوئی مچھلی کا ایک ٹکڑا اور شہد کا ایک چھتا اُس کو دیا۔ اس نے لے کے اُن کے سامنے کھایا"

اسی نوع کی گفتگو مصلوبی کے بعد مسیح اور تھوما میں بھی یوحنا (۲۰:۲۷) میں درج ہے۔ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مسیح کی انسانیت برقرار ہے اور ان کا دنیاوی جسم قائم و محفوظ ہے تو سولی پر کون چڑھا اور قربان کون ہوا اور قربانی میں نذر کیا چیز ہوئی اور انسانی گناہوں کا کفارہ کیونکر ادا ہو سکا؟ وہ فدیہ بھی فدیہ ہے جو واپس کر دیا گیا ہو؟ وہ قربانی بھی قربانی ہے جو قبول نہ کی گئی اور جسم کو اور جان کو واپس کر دیا گیا؟۔ اور ایسی نامقبول قربانی جو رد کر دی گئی ہو کیا انسانی گناہوں کا کفارہ ہو سکتی ہے جبکہ قربانی کی شرط یہ ہو کہ اس قدر خون بہایا جائے کہ موت واقع ہو جائے؟ بات دراصل یہ ہے کہ اناجیل مروجہ سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی۔ اور جب آپ کو سولی ہی نہیں دی گئی تو مرکر جی اٹھنے کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا اور قربانی اور کفارہ کے تخیلات بھی ہوا میں اڑ جاتے ہیں۔

باوجود جملہ امور مندرجہ بالا کے عیسائی حضرات اسی پر مصر ہوں کہ مصلوبی مسیح کو ثابت کر کے اس قربانی کو اپنے گناہوں کا کفارہ قرار دیں تو انھیں معاملہ کے ذرا اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہیے کہ عام قاعدہ یہ ہے کہ قربانی کا فائدہ قربانی گزراننے والے کو ملتا ہے۔ اس قاعدہ کی رو سے قربانی مسیح کا فائدہ صرف یہوداہ اسکریوطی ہی کو پہونچتا ہے جس نے بیش قیمت قربانی گزرانی نہ کہ اُن عیسائیوں کو جو صرف باتیں بناتے رہتے ہیں۔ جب تک کہ ہر عیسائی مسیح کے گرفتار کرانے میں اپنی شرکت ثابت نہ کر دے اس قربانی کے مفاد میں حصہ دار کیوں کر ہو سکتا ہے۔ اور اگر مسیح کو صرف ایک ہی شخص یعنی یہوداہ اسکریوطی نے گرفتار کرایا اور اس گرفتاری اور قربانی سے لاکھوں کروڑوں عیسائیوں نے فائدہ اٹھایا اور دوزخ سے نجات پائی اور جنت کے مستحق ٹھہرے تو یہوداہ اسکریوطی نے بہت بڑا کام کیا اور بہت بڑا ثواب کمایا اور بہت اچھا آدمی اُسے سمجھنا چاہیے اور تمام عیسائیوں کو اس کا شکر گزار ہونا چاہیے اور کم از کم اس کے

ذاتی گناہ تو اسی کی گزرانی ہوئی قربانی کے طفیل میں معاف ہو ہی جانے چاہئیں۔ مگر تعجب ہے کہ متی (۲۶ : ۲۴) میں مسیح اسی یہوداہ اسکریوطی کی بابت فرماتے ہیں کہ :- " اس شخص پر افسوس جس کے ہاتھوں ابن آدم گرفتار کروایا جاتا ہے اگر وہ شخص پیدا نہ ہوتا تو اس کے لیے بہتر تھا " گویا اپنی امت کے لیے یہ قربانی یہ کفارہ اور گناہوں کی یہ بخشش عام جناب مسیح کو بہت ناگوار گزری اور آپ نے اس قربانی گزراننے والے کے اس دنیا ہی میں ہونے پر تاسف فرمایا۔ پھر یوحنا (۶ : ۷۰) میں جناب مسیح یہوداہ اسکریوطی کو شیطان کے لقب سے ملقب فرماتے ہیں عجائبات قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ایک حیرت میں ڈالنے والی نشانی ہے کہ اس شیطان نے بہشت کا دروازہ ساری خلقت کے لیے کھول دیا۔ ایک شیطان آدم علیہ السلام کے بہشت سے نکلنے جانے کا باعث ہوا۔ دوسرا شیطان اولاد آدم کے بہشت میں جانے کا باعث بنا گویا بہشت سے نکالنا اور بہشت میں لے جانا شیاطین ہی کے اختیار میں ہوگیا۔ عیسائی علماء اگر اپنے موجودہ عقائد پر اڑتے ہیں جن کے لیے اناجیل مروجہ میں بھی کوئی قابل اعتماد تائید نہیں ملتی تو ان جملہ لازمی نتائج کو انھیں طوعًا و کرہًا ماننا پڑیگا اور ان کا مذہب دنیا کے لیے ایک مضحکہ انگیز چیز بن جائے گا۔

مختلف مذاہب پر تنقیدی نظر ڈالنے والوں کے لیے اسکی ضرورت سب سے پہلے ہے کہ وہ اصلی اور حقیقی تعلیم کو بدعات مابعد سے علیحدہ کر کے دیکھیں پھر مختلف مذاہب کی اصلی تعلیمات کا باہمی موازنہ کر کے اُن مذاہب کی حقانیت یا عدم حقانیت کے متعلق رائے قائم کریں۔ اور اگر کسی مذہب زیر تفتیش میں انھیں لغویات اور بیہودگیوں سے سابقہ پڑے تو اس غلط نتیجہ پر نہ پہنچ جائیں کہ ہر مذہب ایسی ہی کچھ لغویات اور بیہودگیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ سچ اس جہان سے مفقود نہیں ہوا اور سچا مذہب لغویات اور توہمات ظنیات و رسمیات لایعنی سے اب بھی محفوظ ہے اور آئندہ بھی محفوظ رہے گا صرف چشم حق بین کی ضرورت ہے۔

(باقی)

منظر الکرام

مؤلفہ سید منظر علی اشہر

حیدرآباد دکن کے زندہ اکابر و مشاہیر کا تذکرہ جدید حیدرآباد کی اعلیٰ شخصیتوں کے متعلق اس سے بہتر ذخیرہ معلومات اب تک مرتب نہیں ہوا سرکار عالی کے سررشتہ تعلیم نے اسکو حوالہ کی عمدہ کتاب قرار دیکر دفاتر و مدارس تحت کو اسکے خریدنے کی ہدایت کی ہے قیمت چھ روپے ہے مولف نظام و الفنسٹن ز کلب حیدرآباد کے پتہ پر طلب کیجئے